AL-TABYEEN, *[ISSN (P)* 2664-1178, *(E)* 2664-1186 | *Jan-Jun-2021, Vol: 5, Issue: 1*

اسلامی ریاست میں سیاسی انتظامیہ کا تصورِ احتساب

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

ڈاکٹر فیاض احمد فاروق*

پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس لودھی**

ABSTRACT

This research presents an overview of principle of accountability of executive in Islamic state. Existence and survival of any state is not sustainable without process of accountability as per law of the land and provision of constitution. Elite class was exempted from any sort of accountability and treated above the law in pre Islamic period whereas man in the street was dealt with strict compliance of rules and regulations. This paper has provided strong evidences from the perspective of historical research that executive in Islamic state has not been exempted from the process of transparent of accountability. Moreover, this article also builds up strong argument in light of Quran and Sunnah as well as line of action adopted by orthodox caliphs. It also highlights various incidents of accountability and legal precedence occurred during Khilafat e Rashda and post era as well.

Keywords: نصب العین، احتساب، قانونی مساوات، اقرباء پروری، ذمی

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب ملتان

** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی

اجتماعی زندگی کی بقاو تہذیب اور نشوو ارتقاء کے لیے جو ادارے قائم کیے گئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ کسی بھی ادارے کو چلانے کے لیے ادارتی تقاضوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ریاستی نظم و نسق کو کنٹرول کرنے کے لیے انتظامیہ کا وجود بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے تو اس میں مختلف مناصب ملتے ہیں جن میں سے اعلیٰ منصب سربراہ ریاست کا ہوتا ہے۔ سربراہ ریاست کی بنیادی ذمہ داری پورے انتظامی شعبہ کو آئین و قانون کے مطابق چلانا اور بہتر بنانا ہے۔ کسی بھی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ایسا نظام وضع کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف معاشرتی زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے بلکہ ریاستی استحکام، سماجی عدل کو فروغ اور ہر فرد کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنیادی وسائل بھی مہیا ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ سربراہ کا کام معاشرے میں لوگوں کہ بہتری کے لیے قانون کے نفاذ کو ممکن بنانا اور خود بھی اپنے مرتب کردہ قوانین پر عمل پیرا رہنا ہوتا ہے۔ جہاں تک سربراہ ریاست اور اس کے فرائض کا تعلق ہے تو وہ رعایا کا خادم ہوتا ہے ان کی خدمت کرنے والا اور ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنے والا ہوتا ہے اور ان کے لیے پالیسیاں وضع کرنے والا ان پر عمل کرانے والا ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست میں مذہبی، انسانی اور قانونی اعتبار سے تمام لوگ برابر ہوتے ہیں اور اس میں امیر و غریب اور حاکم و محکوم کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ قانون اور آئین سب پر یکساں لاگو ہوتا ہے اس لیے قانون سے کوئی بھی شخص بالاتر تصور نہیں کیا جاتا اور قانون کا احترام کرنا سب پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾ [1]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ [2]

"عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

---

[1] ۔الشوریٰ 15:42.

[2] ۔المائدۃ 8:5.

عدل ایک ایسی اہم اصطلاح ہے کہ جس میں سیاسی، سماجی، معاشی احتساب کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اور یہ وہ اعلیٰ نصب العین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ [1]

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

بخاری شریف میں امام بخاری نے کتاب الاحکام کے تحت باب "محاسبة الامام عماله"۔ (امام کا اپنے عمال کا محاسبہ کرنے کا بیان) کا عنوان باندھا ہے اور یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الأُتَبِيَّةِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَاسَبَهُ قَالَ: هَذَا الَّذِي لَكُمْ، وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ، وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا»، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللَّهُ فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا، فَوَاللَّهِ لاَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا - قَالَ هِشَامٌ بِغَيْرِ حَقِّهِ - إِلَّا جَاءَ اللَّهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، أَلاَ فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللَّهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ «، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ» أَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ " [2]

"ابو حمید ساعدی روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن الاتبیہ کو بنی سلیم کے صدقات کا عامل مقرر کیا، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ ہدیہ مجھے ملا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] ۔ الحدید 57:25

[2] ۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، مطبع مجتبائی دہلی س ن، ۳: ۸۵۹،

کہ تو کیوں نہیں اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر بیٹھ جاتا (پھر دیکھتا) کہ اگر تو سچا ہے کہ تیرے پاس ہدیہ آتا ہے [یا نہیں]، پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا، امابعد! میں تم میں سے بعض لوگوں کو ان کاموں پر مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے مالک بنایا ہے پھر تم میں سے ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے تو وہ آدمی اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ جاتا (تاکہ اسے اپنی سچائی کا پتہ چل سکے) کہ ہدیہ اس کو بھیجا جاتا ہے [یا نہیں]۔ خدا کی قسم تم میں سے جو آدمی کوئی چیز ناحق لے گا تو قیامت میں اللہ کے پاس اس حال میں آئے گا کہ وہ چیز اس پر سوار ہوگی، سن لو کہ میں یقیناً پہچان لوں گا اس چیز کو جو آدمی اللہ کے پاس لے کر آئے گا، اونٹ بلبلاتا ہوگا یا گائے بولتی ہوگی یا بکری ممیاتی ہوگی، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی دیکھ لی، آپ ﷺ نے فرمایا: سن لو! کیا میں نے پہنچا دیا۔"

دور حاضر میں جہاں سیاسی انتظامیہ کو وسیع اختیارات دیے جاتے ہیں وہیں اس بات کو بھی یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ رعایا کے جان و مال کے تحفظ کو بہتر بنایا جائے۔ اسلامی ریاست کے سربراہ مملکت کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ریاست کو ایک فلاحی ریاست بنائے جو عوام الناس کی بھلائی اور خوشحالی میں اضافہ کا باعث ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ سربراہ مملکت کو بیت المال کا محافظ ہونا چاہیے تاکہ اقرباء پروری، کرپشن ،لوٹ مار سے بچا جا سکے۔ اس لیے اس بات کی بھی ضرورت رہتی ہے کہ سربراہ ریاست اور اعلیٰ انتظامیہ کو جہاں وسیع اختیارات دیے جاتے ہیں وہیں ان اختیارات اور ان کے استعمال سے بھی احتسابی نظام کو وضع کیا جائے اور اس پر نظر رکھی جائے۔ اس لیے تاریخ اسلام میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں کہ سربراہ ریاست اور ریاستی انتظامیہ نے اپنے فرائض کے حوالے سے خود کو جوابدہی کے لیے نہ صرف پیش کیا بلکہ اس کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔ موجودہ سیاسی نظام میں بھی حکمرانوں کا احتساب وقت کی اہم ضرورت بن چکا ہے، لہٰذا سربراہ مملکت اور سیاسی انتظامیہ بھی احتساب سے بالاتر نہیں ہوتے۔

احتساب اسلامی ریاست کا ایک اہم ستون ہے یہ ادارہ در اصل وہ سنہری زنجیر ہے جس میں مذہب، تمدن، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست کی تمام جزئیات شامل ہیں یہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے احتساب کی تاکید کرتا ہے۔ احتساب کے بغیر ریاستوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا

ہے، لہٰذا کسی بھی ریاست کے حکمران اور ریاست چلانے والے اداروں کے پاس جہاں اختیارات ہوتے ہیں وہیں ان اختیارات کے لیے ان کو جوابدہ بھی ہونا پڑتا ہے۔ مگر موجودہ دور میں مقتدر طبقہ خود کو احتساب سے مستثنیٰ سمجھتا ہے۔ وہ خود کو عوام سے بالاتر سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ عوام کا ہی حصہ ہوتے ہیں جو وہ اختیارات ملنے کی وجہ سے بھول جاتے ہیں اسی لیے اچھی حکومتوں کی خوبیوں میں سے ایک خوبی احتساب ہے جو ہمیشہ سے رہی ہے۔

اگر قبل از اسلام کے معاشروں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان معاشروں میں سربراہان ریاست اور بادشاہ مطلق العنان تھے، طاقت و اختیار میں اتنے کامل تھے کہ ان کے لیے احتساب کا تصور محال تھا۔ وہ غریب رعایا پر ظلم و ستم کرتے تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر ان سے باز پرسی کی جاتی تھی، جبکہ بادشاہ خود کو اس سے ماوراتصور کرتے تھے۔ عدل و انصاف کے تمام تقاضے صرف امراء کے لیے ہوتے تھے رعایا کو قانونی شکنجوں میں اس قدر جکڑا گیا تھا کہ وہ اس سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ اسلام سے پہلے جتنے قوانین ملتے ہیں ان میں حاکم کی کسی بھی غلطی پر خواہ وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو کوئی باز پرس نہیں کی جاسکتی تھی۔ بعض ممالک کے دستور میں بادشاہ کو ایک مقدس شخصیت کا درجہ دیا گیا تھا جس سے غلطی کا امکان ہی نہیں تھا مثلاً اسپین، مصر، اٹلی اور روم میں جمہوریت سے قبل جو قوانین رائج تھے ان میں یہ دفعہ بھی موجود تھی۔ ای وی ڈائسی، قانون دستوری" میں لکھتا ہے کہ:

> "قانون انگلستان کی رو سے کوئی دعویٰ بادشاہ پر نہیں ہو سکتا، اس کی بنیاد اس اصول پر بیان کی جاتی ہے کہ بادشاہ کوئی ظلم نہیں کرتا۔" [1]

انیسویں صدی سے قبل بھی جمہوری نظام میں بھی صدر اور پارلیمان کسی بھی جرم کے قانونی طور پر ذمہ دار نہیں سمجھے جاتے تھے، البتہ انیسویں صدی عیسوی میں تحریک مساوات کے زیر اثر بعض ممالک کے قوانین میں بھی صدر کو بعض جرائم کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ ان ممالک کے دساتیر میں یہ بھی تھا کہ کسی بھی ملک کا بادشاہ اگر دوسرے کسی ملک کے کسی علاقے میں جاکر خلاف قانون لوگوں کی بعض چیزیں لے لے یا خیانت کا ارتکاب کرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں ہے اور اس امتیاز میں اس کے خصوصی ملازمین بھی شامل تھے اور اس کی توجیہ ماہر

---

[1] ۔ اے وی، ڈائسی، قانون دستوری، مترجم مسعود علی، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، طبع ہشتم، 1926، ص702

قانون یہ کرتے تھے کہ:

"دوسرے ملک کے باشندوں پر اس مجرم بادشاہ اور اس کے ملازمین کی ضیافت اور تعظیم و تکریم واجب ہے اس لیے ان کی تمام چیزوں پر از خود قبل ہی بادشاہ کا استحقاق شامل تھا اگر یہ جرم بھی ہو تو مہمان کی غلطیوں پر گرفت کرنا آداب ضیافت کے خلاف ہے"۔[1]

اسلامی مملکت میں حکمران اہم مقام پر فائز ہوتا ہے، اگر یہ درست طریقے سے اپنے فرائض منصبی ادا کرے تو عوام کے معاملات بھی درست رہیں گے اور اگر حاکم اپنے فرائض پوری ایمانداری سے ادا نہیں کرے گا تو عوام کے معاملات بھی بگڑ جائیں گے اور اسی بنا پر اسلام میں حکمران کے احتساب کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق حکمران اللہ کے سامنے اور عوام الناس کے سامنے بھی جوابدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکمرانوں اور عوامی نمائندوں کے تمام اعمال وافعال سے باخبر ہوتا ہے۔ مسلم مملکت کے عوام کو بھی حکومت پر تنقید کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ برسر اقتدار افراد کا محاسبہ کرنے کا انہیں پورا پورا اختیار ہوتا ہے۔ اس کی عملی مثال نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملتی ہے، حدیث میں ہے:

عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عن اسید بن حضیر، رجل من الانصار قال بینما ہو یحدث القوم وکان فیه مزاح بینا یضحکہم فطعنه النبیﷺ فی خاصرته بعود فقال اصبرنی۔فقال اصطبر۔قال ان علیک قمیصا ولیس علی قمیص۔فرفع النبیﷺ عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحة قال انما اردت ہذا یا رسول اللهﷺ[2]

عبد الرحمن بن ابو لیلی سیدنا اسید بن حضیرؓ سے روایت کرتے ہیں اور یہ انصار میں سے تھے کہ یہ ایک دفعہ اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے مزاحیہ آدمی تھے اور انھیں ہنسا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی کوکھ میں ایک لکڑی چبھو دی تو انھوں (اسید بن حضیر) نے کہا کہ مجھے بدلہ دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا لے لیجیے انھوں نے کہا کہ آپ پر تو قمیص ہے مگر مجھ پر تو قمیص نہ تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص اوپر کر دی اسید نے آپ ﷺ کو اپنے بازوں میں لے لیا اور آپ

[1]۔ عودہ، عبد القادر، التشریع الجنائی الاسلامی، قاہرہ، 1969ء، 311:1

[2] ۔امام ابو داؤد، سنن ابو داؤد، ابواب السلام، باب فی قبلة الجسد، حدیث نمبر 5224

کے پہلو پر بوسہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کے رسول میری یہی نیت تھی"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کر دیا اور پتہ چلا کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔کسی شخص کو کسی شخص پر کوئی فوقیت حاصل نہیں،خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم ہو،امیر ہو یا غریب ہو اس لیے قانون کی نظر میں تمام لوگ برابر و مساوی ہیں۔کسی عہدے کی بنا پر کوئی شخص اپنے کسی فعل کے احتساب سے ماوراء نہیں ہو سکتا وہ چاہیے سربراہ ریاست، حکمران ہوں یا انتظامی افسران ہوں سب ہر حال میں اعمال وافعال کے جوابدہ ہے۔

ہر شخص جس کو کوئی ذمہ داری دی گئی وہ اس کے لیے جوابدہ ہے اور حاکم سے بھی اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

كلكم راع،وكلكم مسؤول عن رعيته، الامام راع ومسؤول عن رعيته [1]

" تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہو گا۔
امام نگراں ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہو گا۔"

تاریخِ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں حکمران قانون سے بالاتر نہیں تھے بلکہ قانون کے نفاذ میں وہ برابر کے شریک تھے اور اختیارات اور ان کے استعمالات کے حوالے سے بھی ان سے باز پرس کی جاتی تھی اور بعض اوقات عہدوں سے تنزلی اور سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔گویا ریاستی نظم و نسق میں کوئی بھی انتظامیہ اور عہدیدار احتساب سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا تھا۔حضرت عمرؓ پر حضرت سلمان فارسیؓ نے نقد کرتے ہوئے کہا۔

"واللہ ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: کیوں؟ انہوں نے کہا: پہلے یہ بتایئے کہ مالِ غنیمت میں جو یمنی چادریں آئی ہیں، ان میں سے جب ہر ایک کے حصہ میں ایک چادر ہی آئی ہے تو آپ کے جسم پر دو چادریں کیسے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے گواہی دلوائی کہ دوسری چادر ان کی ہے جسے ان کے باپ نے ان سے مانگ لی تھی۔تب سلمان فارسی بولے: ہاں! اب فرمایئے۔ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔" [2]

---

[1] امام بخاری،الجامع الصحیح،کتاب الجمعه،باب الجمعه فی القریٰ والمدن،ج۲،ص۷۰،حدیث نمبر۸۹۳

[2] ۔علی طنطاوی، اخبار عمر، دارالفکر دمشق، ص۲۰۳۔۲۰۴،طنطاوی ، عمر بن خطاب مترجم عبدالصمد صارم مطبوعیه البیان لاہور ۱۹۷۱،ص۴۳

حضرت عمرؓ اپنی ایک تقریر میں بیت المال میں خلیفہ کے حق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میرے لیے اللہ کے مال میں سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور قریش کے ایک اوسط آدمی کے لیے معاش اپنے گھر والوں کے لیے لوں پھر میں بس ایک آدمی ہوں مسلمانوں میں سے۔"[1]

اسلام یہ تصور بھی پیش کرتا ہے کہ قومی خزانہ امیر کے پاس ایک قومی امانت ہے اس میں ناجائز ٹیکسوں اور غضب و مظالم سے کوئی آمدنی جمع نہیں کی جاسکتی تھی نہ ہی اس آمدنی کے پہلے سے طے شدہ مصارف کے علاوہ کسی دسری مد میں خرچ کی جاسکتی ہے امیر کا اس آمدنی سے ناجائز فائدہ اٹھانا یا اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو نوازنا یا ناجائز مصارف میں خرچ کرنا بدترین قسم کی خیانت ہے۔ اب امیر یا کسی عامل کے جائز اخراجات کیا ہیں جو وہ بیت المال سے لینے کا حق دار ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے:

وانی لا اجد هذ المال یصلحه الا خلال ثلاث:أن یؤخذ بالحق ،ویؤطی فی الحق ویمنع من الباطل۔وانما انا ومالكم كو لی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اكلت بالمعروف [2]

"میں اس مال کے معاملہ میں تین باتوں کے سوا کسی چیز کو صحیح نہیں سمجھتا۔ حق کے ساتھ لیا جائے، حق کے مطابق دیا جائے اور باطل سے اس کو روکا جائے۔ مجھ کو تمھارے مال میں صرف اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں اگر میں دولت مند ہوا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوں تو دستور کے مطابق کھانے پینے کے لیے لوں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ (گورنر شام) نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو رومیوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ رومیوں سے بات چیت کے دوران بادشاہ اور اس کے اختیارات کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت معاذؓ نے فرمایا:

"تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمھاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن ہم نے اس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو

---

[1] ۔ ابن كثیر،عماد الدین،البدایه والنیاه،مطبعه السعاده مصر،٧: 134

[2] ۔قاضی ابو یوسف،یعقوب بن ابراہیم،كتاب الخراج،دار المعرفه بیروت لبنان،،ص١١٧

درے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ دے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو
ہم سے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔" [1]

گویا اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مملکت میں حاکم اور رعایا جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالاتر نہیں چناچہ اس سے قانونی مساوات کا تصور ملتا ہے، جہاں تک قانونی مساوات کا تعلق ہے تو اسلامی ریاست کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی عام حکمرانی قائم رکھے۔ ہر شخص اور ہر طبقہ کے لوگ ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہوں، غریب وامیر اور راعی ورعایا سب قانون کی نظر میں برابر ہونے چاہیں۔ اسلامی ریاست قانونی مساوات کی علمبردار ہے اس لیے اسلامی ریاست کا کوئی شہری قانون سے بالاتر نہیں حتیٰ کہ منتظم اعلیٰ بھی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔

اسلامی حکومت میں انتظامیہ اور حکمرانوں کے خلاف مقدمات بھی چلائے گئے اور قاضیوں نے ان کے خلاف فیصلے بھی دیے۔ حضرت علی ؓ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ امیر المومنین تھے، اُس وقت قاضی شریحؒ نے ایک یہودی کے مقابلے میں اُن کے خلاف فیصلہ دیا۔ حضرت علی ؓ کی ایک زرہ گم ہو گئی تھی۔ آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی جو اُسے بیچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہودی نے کہا کہ یہ تو میری زرہ ہے ، اور میرے قبضے میں ہے۔ چنانچہ معاملہ قاضی شریح ؒ کی عدالت میں پہنچا۔ قاضی شریح ؒ نے حضرت علیؓ سے گواہ مانگے۔ حضرت علی ؓ نے ایک گواہ قنبر کو پیش کیا، اور دوسرے گواہ کے طور پر اپنے بیٹے کو پیش کیا۔ حضرت قاضی شریحؒ نے فرمایا کہ بیٹے کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہیں ہے۔ چنانچہ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔[2]

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی رہی اور کسی بھی عہدیدار اور انتظامیہ اور حاکم کو اختیارات کی بناء پر استثنا نہیں دیا گیا بلکہ ان کے خلاف نہ صرف فیصلے دیے گئے بلکہ عملی طور پر ان کا نفاذ بھی کرایا گیا۔ اسلام میں حاکم اور رعایا قانون کے نفاذ میں برابر ہیں قانون کی حکمرانی میں کسی بھی شخص کو اختیار اور فضلیت کی بنیاد پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ جدید جمہوری معاشروں میں سربراہ حکومت کو متعدد قوانین سے مستثنیٰ قرار

[1] ۔ ابن سعد محمد، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی کراچی، ۵:۲۹۴

[2] ۔ قاضی شریح، اخبار القضاۃ، در العلم بیروت لبنان، ص۲۶۱

دیا گیا ہے، اور اُن کے دساتیر میں یہ دفعہ موجود ہے کہ سربراہ حکومت کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ دوسری طرف یہ بات اسلام کے تصور عدل کے سراسر خلاف ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فانما اهلک الناس قبلکم انهم کانو ااذاسرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد۔والذی نفسی محمدﷺبیده لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها[1]

"جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، انہیں اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اُس پر سزا جاری کر دیتے، اور اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کریگی تو میں اُس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹوں گا۔"

عدالتی کارروائی میں خلیفہ وقت کو کسی قسم کا عدالتی استثناء حاصل نہیں ہے، بلکہ عدلیہ جب اس کے خلاف فیصلہ دے تو اس پر حاکم کو سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔ ایک عامل سے متعلق شکایت ملنے پر حضرت علیؓ نے اسے لکھا کہ:

"تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو تمھارے دستر خوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کرتے ہو اور حکومت میں تمھارا اہل اباحت کا عمل ہے پس گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور خدا کے حقوق ادا کرو۔"[2]

خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں قاضی محتسب کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتا تھا اور اس صورت میں کوئی بڑے سے بڑا عہدیدار ہی کیوں نہ ہو مرعوب نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حاکم وقت کے احتساب میں قطعاً رو و رعایت سے کام لیتا اور نہ اپنی سبکدوشی یا تنزلی کی پرواہ کرتا۔ الکندی نے لکھا ہے:

"ایک بار خلیفہ عبد الملک اپنے چچازاد بھائی کے خلاف مقدمہ لے کر قاضی خیر بن نعیم کی عدالت میں پیش ہوا اور ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا قاضی کو خلیفہ کی یہ بات ناگوار گزری اس نے فریق

[1]۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر ٤٣٠٤

[2]۔ احمد بن اسحاق یعقوبی، تاریخ یعقوبی، دارلکتب بروت لبنان، ٢٤٠:٢

مخالف کے ساتھ کھڑا ہونے کو کہا تو عبد الملک مقدمہ چھوڑ کر چلا گیا"۔[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں عمال چیزوں کے نرخ گھٹا کر انھیں کم قیمت پر خرید لیا کرتے تھے۔ آپ نے قانون بنادیا کہ کوئی عامل کسی کا مال کم قیمت پر نہیں خرید سکتا۔[2]

اندلس میں منذر سعید اپنے احکام میں بڑے متشدد تھے اور قوانین احتساب کے اجرا اور نفاذ میں مطلق نرمی کے روانہ تھے اقامت احکام میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا احتساب میں خلیفہ تک کو نہ چھوڑتے تھے۔[3]

دمشق کے سلطان اتابک نے نجم الدین انصاری کو احتساب کی ذمہ داریاں تفویض کیں تو انھوں نے سب سے پہلے احتساب کا فرض اس طرح ادا کیا کہ خود بادشاہ سے کہا کہ آپ اس بچھونے سے اٹھ جائیں اور اس مسند اور تکیہ کو الگ کیجیے کہ یہ دونوں چیزیں ریشم کی ہیں آپ انگوٹھی بھی اتار دیجیے کہ یہ سونے کی ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں چیزیں ریشم اور سونا مردوں پر حرام کی ہیں۔ یہ سنتے ہی سلطان نے فوراً اپنی مسند اٹھانے کا حکم دیا اور انگلی سے انگوٹھی بھی اتار دی۔[4]

عدل و انصاف کے قیام اور ظلم جور کے انسداد میں خلیفہ مامون اپنی مثال آپ تھے ان کی عدالت میں ادنی و اعلی سب برابر سمجھے جاتے تھے کسی کے عہدے اور نسب کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شکستہ حال بوڑھی عورت نے استغاثہ دائر کیا کہ مامون کے لڑکے عباس نے اس کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ جمالیا ہے مامون نے بیٹے کو بوڑھی عورت کے برابر کھڑا کر کے فریقین کے دلائل سنے اور فیصلہ اپنے بیٹے کے خلاف دے دیا۔[5]

خلیفہ مامون کے عہد میں احتساب میں خلیفہ کی حیثیت ایک عام شخص کی سی ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا تھا جو کسی عام شخص کے ساتھ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عدالت میں خدام نے مامون کی آمد پر قالین بچھوانے کی کوشش کی مگر قاضی نے یہ کہتے ہوئے قالین اٹھوا دیا کہ عدالت احتساب میں مدعی اور مدعی علیہ دونوں برابر ہوتے ہیں اور کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ چناچہ مامون نے قاضی کی حق پرستی کے صلے

---

[1]۔سیوطی، جلال الدین، الولا وکتاب القضاء، دار البیروت لبنان، ۱۹۰۸ء، ص ۳۶۵

[2] ۔ابن سعد، طبقات ابن سعد، ۵: ۲۹۰

[3]۔التلمسانی، احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، دار صادر بیروت لبنان، ۲: ۵

[4]۔ التلمسانی، نفح الطیب، ۲: ۵

[5] ۔ابن عبد ربہ اندلسی، احمد بن محمد، عقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان ۱۹۸۳ء، ۱: ۹

میں اس کی تنخواہ بڑھادی۔[1] فاطمی دور میں مصر میں حکمرانوں کے احتساب کے حوالے سے المقریزی نے لکھا ہے

"محتسب کے احکام و اوامر سے گورنر جیسے عہدیدار اور دوسری صاحب اقتدار ہستیاں بھی مستثنیٰ نہیں تھیں اور نہ اس کے دارو گیر سے محفوظ رہتی تھیں۔"[2]

عثمانیوں کے عہد میں سلطان سلیمان اعظم قانونی(۹۴۶ھ۔۹۷۴ھ) کے دور میں عدل وانصاف اور احتساب کا نظام تھا کہ آپ نے فرض کی ادائگی میں بدعنوانیاں کرنے والے حکام کو برخواست کر دیا اور قریبی تعلق رکھنے والوں کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہ کی۔ فرہاد پاشا اس کا داماد تھا سلیمان نے اسے ظلم اور رشوت ستانی کے جرم میں صوبے کی گورنری سے معزول کر دیا پاشا کی بیوی اور سلیمان کی ماں نے کافی التجاؤں کے بعد بحال کرایا لیکن جب اس نے دوبارہ بدعنوانیاں شروع کر دیں تو سلیمان نے اسے نہ صرف معزول کر دیا بلکہ سزائے موت کا حکم بھی سنایا۔[3]

جب بھی کوئی حاکم کسی منصب پر فائز ہوتا ہے تو اس کے اندر احتساب کا جذبہ بھی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے پاس جو قومی اختیارات ہیں اس کے لیے وہ تمام اداروں اور عوام الناس کو جواب دہ ہے۔

جہاں تک طرز حکمرانی میں اعلیٰ عہدوں اور مناصب کا تعلق ہے تو اسلامی ریاست میں کوئی بھی منصب کسی بھی شخص کو اس لحاظ سے مستثنٰی نہیں کر سکتا کہ جس سے رعایا کے حقوق اثر انداز ہوں۔اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلامی عدالتوں نے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو بلااستثناءعدالت میں طلب کیا، بلکہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے خلاف فیصلے بھی صادر فرمائے، جن کو انہوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا،بلکہ اسلامی عدالتوں کے ان عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں کی توصیف و تعریف بھی فرمائی۔اسلامی ریاست کا ہر شہری ، خواہ امیر ہو یا غریب' شریف ہو یا وضیع، امیر ہو یا مامور، قانون کی نظر میں بالکل مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ہر شخص اور ہر طبقہ 'بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہے۔

---

[1] ۔شہاب الدین احمد بن محمد الاشبیہی،المستطرف فی کل عن مستظرف،دار الحدیث،قاہرہ،۱:۱۱۰

[2] ۔مقریزی،تقی الدین ابو العباس احمد بن علی،المواعظ والاعتبار بذکرالخطط والاثار،مصر ۱۲۷۰ھ،۲:۳۴۲

[3] ۔ایس ایم ناز،اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار،ص ۲۹۴

خلاصہ بحث

ریاستی نظم و نسق کا سب سے بڑا عہدہ سربراہ ریاست کا ہوتا ہے اسی لیے سربراہ ریاست کی ذمہ داریاں بھی سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے جہاں انھیں صوابدیدی اور اختیارات تمیز دیے جاتے ہیں وہیں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور ان کے افعال و اعمال پر نظر رکھنے کے لیے احتساب کا نظام بھی وجود میں آتا ہے۔ احتساب ایک ایسا ضابطہ ہے جو اصلاح احوال میں کارگر تسلیم کیا جاتا ہے۔ احتساب جہاں اصلاح احوال کا نام ہے وہیں عوام اور حکومت کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے بھی احتساب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قدیم تاریخوں میں دیکھیں تو سربراہ ریاست خود کو احتساب سے ماورا تسلیم کرتا تھا اور ان کے کسی فعل پر گرفت نہیں کی جاسکتی تھی مگر اسلام نے نہ صرف قانونی گرفت کا نظام متعارف کرایا بلکہ سربراہ ریاست کے جرائم میں ملوث ہونے کی صورت میں عہدہ واپس لینے اور سزا کا نظام بھی متعارف کرایا۔ اس لیے جدید جمہوری ریاستوں میں بھی سربراہ ریاست کے لیے جہاں استثنائی قوانین ملتے ہیں وہیں ان کے لیے احتساب کا نظام بھی موجود ہے۔ اگر احتساب کا نظام ٹھیک ہو جائے تو عوام اور حکومت کے درمیان جو خلاء ہے اس کو بھی پر کیا جاسکتا ہے اور عوام اور حکومت کے درمیان جو افراط تفریط ہے اس کے خاتمے کو بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکمرانوں اور اعلی انتظامیہ کے رویوں میں بھی تبدیلی لائی جائے اور نفاذ قانون میں سب کو برابر کیا جائے۔ کسی کے عہدے احتساب کے نظام میں رکاوٹ نہیں بن سکتے کیونکہ حکمران طبقہ کے ذہنوں میں ابھی تک یہ خماری موجود ہے کہ وہ احتساب سے بالاتر ہیں، اس لیے کہ وہ ہی عوام کے حقیقی نمائندے ہیں اور عوام کی نمائندگی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کا احتساب کیا جائے اس لیے بھی وہ خود کو احتساب سے بالاتر تصور کرلیتے ہیں۔ اس لیے اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ حکمران اپنی طرز حکمرانی کو تبدیل کریں اپنے اندر اخلاقی رویے پیدا کریں، تاکہ ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو سکے اگر ان میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو وہ حقیقی معنوں میں عوام کے خادم بھی بنیں گے اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے کام بھی کریں گے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں بھی سربراہ ریاست کے احتساب کا تصور موجود ہے اگر اس کو اختیار کرلیا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ عوام کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے اور نفاذ قانون میں مساوی طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ریاست کو مستحکم نہ بنایا جاسکے۔